حکمتِ اقبال (۳۶)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور آرٹ

ثقافت اور تہذیب کا فرق

فعلِ جمیل سے اقبال کا مطلب ایسا فعل ہے جو اپنے مقصد کے لحاظ سے حسین ہو یعنی جس کا مقصد خودی کے کامل نصب العین یا صحیح تصوّرِ حقیقت سے ماخوذ ہو' اور لہٰذا صفاتِ حسن کے مطابق ہو لیکن خودی چونکہ ہمہ تن خدا کی آرزو ہے جو حسن کا مبدا اور منتہا ہے اور دوسری کوئی آرزو نہیں رکھتی' وہ اپنی اس آرزو کو مطمئن کرنے کا کوئی طریقہ یا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں دیتی اور ہر وقت اپنی اس آرزو کی تشفی میں مصروف رہتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ہر فعل کو نہ صرف معنوی طور پر یعنی اس کے مقصد کے اعتبار سے حسین بنانے کی کوشش کرتی ہے' بلکہ ہر فعل کی ظاہری صورت کو بھی خوبصورت بناتی ہے۔ خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ انسان کوئی کام ایسا نہیں کرتا جس کو وہ معنوی طور پر ہی نہیں بلکہ ظاہری طور پر بھی خوبصورت بنانے کی کوشش نہ کرے۔ انسان کی روز افزوں ضروریاتِ زندگی کا بہت تھوڑا حصہ ایسا ہے جو بقائے حیات کے لیے ضروری ہے۔ ان کا بیشتر حصہ انسان کی آرزوئے حسن کی تسکین کا سامان ہے' جس سے انسان زندگی کے ماحول کی تحسین اور تزئین کا کام لیتا ہے۔ انسان کی تمنائے حسن کی کوئی انتہا نہیں' اس لیے اس کی حسن آفرینی کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہی سبب ہے کہ جوں جوں تہذیب ترقی کرتی جاتی ہے' ہماری ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ ہم زمانۂ حال کے انسان کو دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے لباس کی ساخت میں اور اپنے مکان کی تعمیر اور شکل وصورت میں' اپنے میزوں، کرسیوں، صوفوں، قالینوں، تصویروں اور گھر کے دوسرے سامان کی ترتیب اور ترکیب میں' بلکہ اپنے رہنے سہنے' کھانے پینے' بولنے' چلنے پھرنے' اُٹھنے بیٹھنے' کھیلنے اور سفر کرنے کے

com

طور طریقوں میں بھی حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے' اور نہ حسن آفرینی کی کوششوں سے تھکتا ہے اور نہ حسن سے سیر ہوتا ہے۔ ثقافت یا کلچر نصب العین کی معنویت کو یا اس کے باطنی حسن کو علم' اخلاق' سیاست' تعلیم' قانون اور حصولِ نصب العین کے لیے ایسے ہی دوسرے اعمال و افعال میں آشکار کرنے کا نام ہے۔ لیکن تہذیب جسے کہتے ہیں وہ زندگی کے ظاہری ماحول میں حسن طلبی اور حسن آفرینی ہے۔

خدا کی دوسری صفات کی طرح حسن آفرینی کی صفت میں بھی انسانی خودی خدا کے وجود کا عکس ہے کیونکہ خدا کی تخلیقی فعلیت بھی' جس کا نتیجہ یہ کائنات ہے' اپنے معنیٰ اور مقصد اور مدعا کے لحاظ سے ہی نہیں' بلکہ اپنے نتائج کی ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے بھی حسین ہے۔ کائنات حسن سے لبریز ہے' ضیائے حسن اس کے ہر ذرہ میں چمک رہی ہے' خدا نے کوئی چیز ایسی نہیں بنائی جو حسین نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ ہم بعض چیزوں کے حسن کی پہچان سے قاصر رہ جائیں۔

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن
حسن کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضَو گستری' شب کی سیہ پوشی میں ہے
آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت' شفق کی گل فروشی میں ہے یہ
ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے' غنچے میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ' یاں درد کی کسک ہے
اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں' ورنہ
نغمہ ہے بوئے بلبل' بُو پھول کی چہک ہے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے' وہ پھول میں مہک ہے

© rasailojaraid.com

ہنر یا آرٹ کی تعریف

ایسا عمل جس میں کسی محسوس اور مرئی چیز کو ذریعہ یا واسطہ (MEDIUM) بنا کر حُسن کا اظہار کیا گیا ہو، ہنر یا فن یا آرٹ کہلاتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ انسان کا ہر کام اظہارِ حسن کا واسطہ بن سکتا ہے اور بنتا ہے لیکن جب حسن کے اظہار کے لیے اینٹ یا پتھر یا صوت یا صدا یا رنگ یا لفظ یا حرکت کو واسطہ بنا کر اس میں حُسن کا اظہار کیا جائے تو جو فن اس سے پیدا ہوتا ہے اسے اسی ترتیب کے ساتھ تعمیر، مجسمہ سازی، سرود، مصوّری، شاعری اور رقص کا نام دیا جاتا ہے ہنر کی ان اقسام کے اندر تخلیقِ حسن یا مشاہدۂ حُسن سے لُطف اندوز ہونا ایک خاص قسم کی تربیت چاہتا ہے، اس لیے ہر انسان ان کو تخلیقِ حسن یا مشاہدۂ حسن کے ذرائع کے طور پر کام میں نہیں لا سکتا۔ لہٰذا ہنر یا فن کی حیثیت سے زندگی کے عام کاموں کی تحسین اور تجمیل کے مقابلہ میں ان کی افادیت بہت محدود ہو جاتی ہے۔ تاہم ان میں سے ہر ایک، ایک خاص گروہ کو، جو اس سے مستفید ہونے کی مہارت رکھتا ہے، متأثر کر سکتا ہے۔

حُسن کے دو پہلو: صداقت اور نیکی

ہنر کی حقیقت سے تعلق رکھنے والی ایک اہم بات یہ ہے کہ صداقت، نیکی اور حسن خدا کی صفات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حسن بھی ہے، نیکی بھی ہے اور صداقت بھی۔ گویا صداقت اور نیکی حسن ہی کے دو پہلو ہیں۔ لہٰذا اگر حسن صداقت سے یا نیکی سے عاری ہو تو وہ حسن نہیں رہتا۔ ہر عمل جو کچھ وہ ہوتا ہے اپنے اندرونی مدّعا یا مقصد اور اپنی ظاہری صورت دونوں سے مل کر بنتا ہے۔ اس لیے اگر کسی عمل کی ظاہری صورت حسین ہو لیکن اس کے پیچھے مدّعا حسین نہ ہو، تو اس کا حسن داغدار ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کلّی یا مجموعی حیثیت سے حسین نہیں رہتا۔ حسن کلّی طور پر حسن ہوتا ہے اور زشتی کی ملاوٹ کو گوارا نہیں کرتا۔ اگر زشتی اس میں شامل ہو جائے تو وہ جزوی طور پر نہیں، بلکہ ایک کُل کی حیثیت سے حسین نہیں رہتا۔ حُسن ایک ناقابل تقسیم کُل ہوتا ہے اور اسے اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کہہ سکیں کہ کوئی چیز آدھی زیبا ہے اور آدھی زشت۔ زشتی ہمیشہ زیبائی اور زشتی کے

امتزاج سے بنتی ہے کوئی چیز جس کے متعلق ہمارا فیصلہ ہو کہ وہ زشت ہے مکمل طور پر زشت نہیں ہوتی۔

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

گھٹیا آرٹ

چونکہ آرٹ خودی کی آرزوئے حسن کا ایک پہلو ہے، ضروری ہے کہ یہ آرزوئے حسن کے اصل مقصود یعنی طلبِ جمالِ حقیقی کے ساتھ اور آرزوئے حسن کے دوسرے ممد و معاون پہلوؤں یعنی طلبِ خیر اور طلبِ صداقت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔ لہٰذا جو آرٹ (خواہ وہ شعر ہو یا رقص یا مصوری یا موسیقی یا کوئی اور) بد اخلاقی کی طرف ایما کرتا ہو وہ اخلاقی حیثیت سے ہی نہیں، بلکہ مطلق آرٹ کی حیثیت سے بھی پست اور گھٹیا ہوتا ہے۔ ایسا آرٹ خودی کی آرزوئے حسن کا خالص اظہار نہیں ہوتا، بلکہ اس میں خودی کی آرزو کا اظہار جبلّتی خواہشات کے اظہار کے ساتھ ملوّث ہوتا ہے۔ وہ خالص خودی کا عمل یا انسانی عمل نہیں ہوتا، بلکہ انسانی اور حیوانی اعمال کا امتزاج ہوتا ہے۔ ایسے آرٹ کا دیکھنا یا تخلیق کرنا وہ خاص قسم کا سرور پیدا نہیں کر سکتا جو سچے آرٹ کا امتیاز ہے اور اس سرور سے بالکل مختلف ہے جو جبلّتوں کی تشفی سے حاصل ہوتا ہے۔

سچّا آرٹ

تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں آرٹ کو بتکلّف نیکی یا اخلاق کی خدمت کے لیے وقف کرنا چاہیے۔ سچا آرٹ جستجوئے حسن کے سوائے اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ خودی کی ہر فعلیت کی طرح آرٹ بھی خودی کی آرزوئے حسن کا آزادانہ اظہار ہوتا ہے جو خود بخود اور بغیر کسی پابندی یا تکلّف یا غرض کے فقط اپنی ہی خاطر عمل میں آتا ہے۔ لیکن سچا آرٹ چونکہ حسن کی سچّی جستجو کرتا ہے وہ خود بخود خیر اور صداقت اور حسنِ حقیقی کی جستجو سے مطابقت کر لیتا ہے، تاکہ اپنے آپ کو آرٹ کی حیثیت سے درست اور مکمل بنا لے۔ اگر وہ خیر اور صداقت کو نظر انداز کر دے تو پھر نہ وہ حسن کا اظہار ہی رہ سکتا ہے اور نہ آرٹ۔ جب تک آرٹ جبلّتوں کے دباؤ سے اور بدی اور بد اخلاقی کے اثر سے آزاد

© rasailojaraid.com

نہ ہو اور نیکی اور صداقت کو پوری طرح سے ملحوظ نہ رکھے وہ نہ تو خودی کی آزادانہ فعلیت ہی ہو سکتا اور نہ ہی آرٹ کہلا سکتا ہے۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک اعلیٰ درجہ کا فعلِ جمیل جو نیکی کے بلند ترین معیار پر پورا اتر سکے صرف خدا کی محبّت کے درجۂ کمال پر ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سچے آرٹ کی توقع صرف اس شخص سے کر سکتے ہیں جس کا تصوّرِ حقیقت فی الواقع حسین یعنی سچّا خدا ہو، اور جس کی خودی خدا کی محبت کے کمال کو پا چکی ہو۔ جس شخص کا تصوّرِ حقیقت حسین نہیں ہوگا یعنی خدا کے سوائے کوئی اور ہو گا، جیسا کہ مثلاً ایک کافر یا منکرِ خدا کا تصوّر، تو اس کا آرٹ بھی خود بخود اس کے نازیبا اور ناقص تصورِ حقیقت کے ساتھ مطابقت کر کے پایۂ حُسن سے گر جائے گا۔ یہی صورتِ حال کم و بیش اس شخص کے ساتھ پیش آئے گی جس کا تصورِ حقیقت تو صحیح اور حسین ہے لیکن جس کو اپنے تصورِ حقیقت کے ساتھ ایسی کامل اور خالص محبت نہیں جو غلط تصوّرات کی محبّت کے ساتھ ذرا بھی ملوث نہ ہو۔ چونکہ آرٹ ہمیشہ فنکار کے تصورِ حقیقت کے ساتھ مطابقت پیدا کر لیتا ہے، اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ سچا آرٹ ایک مکمل طور پر آزاد فعلیت ہونے اور آرٹ برائے آرٹ ہونے کے باوجود ہمیشہ خود بخود مقاصدِ زندگی کا ترجمان اور خدمت گزار رہتا ہے۔

سچا علم اور سچا آرٹ دونوں حسنِ حقیقی یعنی خدا کی محبّت کے دو پہلو ہیں، جو اسی کی خدمت اور اعانت کے لیے اپنا وجود رکھتے ہیں۔

علم و فن از پیش خیزانِ حیات
علم و فن از خانہ زادانِ حیات

اس شعر میں "حیات" سے اقبال کی مراد آرزوئے حسن یا خدا کی محبت ہے۔ کیونکہ اقبال اپنے کلام میں جس چیز کو حیات کہتا ہے وہی ارتقائے انسانی کی سطح پر آرزوئے حسن یا خدا کی محبّت کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔

خدا کی آرزو اور آرٹ کا تعلّق

فن کی ہر قسم، خواہ وہ مصوّری (رنگ) ہو، یا تعمیر (خشت) ہو، یا مجسمہ سازی (سنگ) ہو، یا موسیقی (چنگ) ہو، یا شاعری (حرف) ہو، یا گانا (صوت) ہو، انسان کی آرزوئے حسن سے پیدا ہوتی ہے جس کا

اصل مقصود خدا اور صرف خدا ہے۔ اقبال اسی آرزوئے حسن یا خدا کی محبت کو کبھی خونِ جگر، کبھی خونِ دل اور کبھی جنون کہتا ہے۔ آرزوئے حسن پتھر کی سل کو ایک مجسمہ کی صورت میں تبدیل کر کے دل (یعنی جذباتِ محبت کا مرکز) بنا دیتی ہے۔ یہی آرزوئے حسن صدا کو پُرسوز اور پُرسرور بنا کر ایک گانے میں تبدیل کر دیتی ہے۔

فن کے تمام نقوش جو آرزوئے حسن کے اصل مقصود یعنی خدا کی سچی محبت سے بے تعلق ہوں ناقص اور ناتمام رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح سے وہ نغمہ بھی جو آرزوئے حسن کے اصل مقصود سے بیگانہ ہو بے اثر اور بے سُود ہے اور سودائے خام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ وہ مردہ اور بے معنی ہے اور ایک ایسی آگ کی طرح ہے جو بجھ کر راکھ بن چکی ہو۔ ایسی آگ میں سوز کہاں ہوتا ہے لیکن وہ نغمہ جو خدا کی محبت کے سوز میں ڈوبا ہوا ہو اس کے اثر کی وجہ سے اسے خونِ دل میں حل کی ہوئی آتشِ سوزاں کہنا چاہیے۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صَوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!
قطرۂ خونِ جگر، سِل کو بناتا ہے دِل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود!
نقش ہیں سب ناتمام، خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر!

نغمہ مے باید جنوں پروردۂ آتشے در خونِ دل حل کردۂ
نغمہ گر معنی ندارد مردہ ایست سوزِ اُو از آتشِ افسردہ ایست

صحیح تصوّرِ حقیقت یعنی خدا کے تصوّر میں وہ سارا حسن موجود ہے جس کی خودی کو آرزو ہے۔ لہٰذا خدا کے ذکر و فکر اور فعلِ جمیل کے ذریعہ سے خودی اس قابل ہو جاتی ہے کہ اپنی آرزوئے حسن کو پوری طرح سے مطمئن کرے اور اس طرح سے اپنی محبّت کو درجۂ کمال پر پہنچا دے۔ اس مقام پر پہنچ کر خودی کو ذکر و فکر اور فعلِ جمیل سے ایسا سرور حاصل ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ لہٰذا جو شخص اس مقام پر پہنچ جاتا ہے اسے وہ سرور ہیچ نظر آتا ہے جو اکثر اشخاص آرٹ یا فن سے حاصل کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

اور ایسا شخص اگر فنکار ہو تو وہ اپنے فن سے خود ایسا سرور حاصل کرتا ہے اور اس کو دوسروں کے لیے بھی ایسے سرور سے بھر دیتا ہے جو کسی ایسے فنکار کے لیے ممکن نہیں ہوتا جو خدا کو نہ مانتا ہو، یا خدا کو ماننے کے باوجود اپنی محبت کی پوری پوری نشوونما کرنے سے محروم رہ گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا فن اس کے لیے مشاہدۂ حسن کی اس لذّت کو پھر زندہ کر دیتا ہے جس سے وہ پہلے آشنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کا فن محض فن کی حیثیت سے درجہ کمال پر ہوتا ہے۔ بعض اشخاص زندگی کی پریشانیوں سے عارضی طور پر نجات پانے اور تفریح حاصل کرنے کے لیے فن کی پناہ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ اس لذّت سے ناآشنا ہوتے ہیں جو خدا کی مخلصانہ عبادت میں انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ تمنائے حسن یا خدا کی محبت کے اظہار سے خودی کو جو لذّت حاصل ہوتی ہے اس کی نوعیت میں اظہارِ تمنا کے طریق کے بدل جانے سے کوئی فرق نہیں آتا، تاہم تمنّائے حسن کے اظہار کے بعض طریقے اس تمنّا کی تسکین اور تشفی کے لیے دوسرے طریقوں سے زیادہ مؤثر ہیں۔ مثلاً خدا کے ذکر کے ذریعہ سے خودی جس قدر اپنی تمنائے حسن کی تشفی یا تسکین کر سکتی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو آرٹ کے ذریعہ سے ممکن ہوتی ہے۔ لہٰذا ذکر کے ذریعہ سے اس تشفی اور تسکین کے عمل کے دوران خودی کو جو سرور حاصل ہوتا ہے وہ بھی اس سے بہت بڑھ کر ہوتا ہے جو آرٹ کے ذریعہ سے اسے حاصل ہو سکتا ہے۔

آرٹ کی خطرناک قسمیں

آرٹ چونکہ خودی کی آرزوئے حسن کی تشفّی کا عمل ہے، اس سے بھی خودی کی محبّت ترقی کرتی ہے لیکن آرٹ کی بعض قسمیں ایسی ہیں مثلاً سرود، رقص، مصوّری، اور مجسمہ سازی جو آسانی سے جنسی تلذّذ کا سامان بن جاتی ہیں۔ اس قسم کے آرٹ کو پاکیزہ بھی بنایا جا سکتا ہے لیکن اگر مکمل طور پر ایسا کرنا مشکل ہو تو خودی کی حفاظت اور تربیت کے لیے اس سے احتراز ضروری ہے، کیونکہ پھر یہ آرٹ کے مقام سے گر کر فقط جنسی اپیل کا ایک ڈھنگ بن کر رہ جاتا ہے۔ جب بھی ہم اس قسم کے آرٹ کا مشاہدہ کریں ہمیں دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ یہ آرٹ ہے۔ اس قسم کا آرٹ خودی کے لیے موت کا پیغام ہے۔ "وہ مغنّی جس کا دل پاک نہیں، اپنے سانس سے نغمہ کو زہر آلود کر دیتا ہے۔"

وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں! نوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود

مرجعِ عقیدت انسانوں کی تصویر کشی اور مجسمہ سازی بالخصوص آرٹ کی ایسی قسمیں ہیں جو ایک حد تک انسان کے مخلصانہ ذوقِ عبادت اور جذبہ یک بینی دیک پرستی کو چرانے اور ایک غیر محسوس طریق پر خدا سے ہٹانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ ایسے آرٹ سے بھی احتراز خودی کی پوری پوری نشوونما کیلئے ضروری ہے۔

سینما

اس وقت سینما کی جو حالت ہے، اس کا جو تاجرانہ مقصد اور مدعا ہے اور اس کے پیچھے زندگی کا جو سفلی اور حیوانی قسم کا نقطہ نظر کام کر رہا ہے اس کے پیش نظر ہمیں سینما کو بھی آرٹ کی ایسی ہی اقسام میں شمار کرنا چاہیے۔ اقبال کی نگہ میں یہ عہدِ قدیم کی بُت فروشی اور بُت گری کی ایک صورت ہے۔ وہ بُت گری کوئی آرٹ (صنعت) نہ تھی بلکہ کافری کا ایک تقاضا تھا۔ یہ بھی کوئی آرٹ نہیں بلکہ ایک قسم کی ساحری ہے اور تہذیبِ نو کی پیدا کی ہوئی ایک تجارت ہے جس کا مقصد طلبِ زر کے سوا اور کچھ نہیں۔ اقبال اسے بُت سازی اور بُت پرستی اس لیے کہتا ہے کہ یہ انسان کی آرزوئے حسن کو خدا سے ہٹا کر غلط راستہ پر ڈالتا ہے اور بُت پرستی بھی ایسا ہی کرتی ہے۔ انسان کی تفریح کا سارا سامان آرزوئے حسن کی صحیح تشفی سے پیدا ہونا چاہیے، ورنہ اس کی تفریح اس کی خودی کی نشوونما کے لیے مضر ہوتی ہے۔ اور اس کا انجام مسرت نہیں بلکہ حزن وملال کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔

وہی بُت فروشی، وہی بُت گری ہے
سینما ہے یا صنعتِ آزری ہے؟
وہ صنعت نہ تھی، شیوۂ کافری تھا
یہ صنعت نہیں، شیوۂ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کہن کا
یہ تہذیبِ حاضر کی سوداگری ہے

© rasailojaraid.com

تمثیل

اسی طرح سے تیاٹر یا تمثیل بھی خودی کی تربیت کے لیے خطرناک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کمال اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ اداکار اپنے آپ کو بالکل مٹا دے اور اپنی جگہ اس شخص کی خودی کو پوری طرح سے کارفرما کر دے جس کا کردار وہ ادا کر رہا ہے۔ ایک انسان اپنی شخصیّت اور اس کے اندر جاگزیں ہونے والی آرزوئے حسن کا اس سے زیادہ بُرا استعمال اور کیا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے دل میں، جو خدا کا گھر ہے، خدا کے سوائے اوروں کی خودی کو بساتا ہے، جس طرح اسلام سے پہلے کافروں نے خانۂ کعبہ میں لات و منات ایسے بُت پُوجا کے لیے کھڑے کر دیئے تھے۔ ایسے کفر سے خدا کی پناہ! انسان کی زندگی اس کی خودی پر منحصر ہے۔ اس کی مُسرّت، اس کی محبّت، اس کی ذات کا تسلسل اور ثبات، اور اس کی صفات سب کا دارومدار اس کی خودی پر ہے۔ اگر وہ اپنی خودی کو ہی مٹا دے تو پھر اس کے پاس اور کیا چیز رہ جاتی ہے جس کی بنا پر اُسے زندہ سمجھا جائے۔ چونکہ انسان کی خودی خدا کی طلب گار ہے، لہٰذا اس کا مقام مہ و پروین سے بھی اُونچا ہے۔ انسان اسی کی وجہ سے معزّز اور مکرم ہے۔ اسے غیر اللہ کے لیے وقف کرنا اپنی تذلیل ہے۔

تری خودی سے ہے روشن ترا حریمِ وجود
حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوز و ثبات
بلند تر مہ و پروین سے ہے اسی کا مقام
اسی کے نُور سے پیدا ہیں تیرے ذات و صفات
حریم تیرا خودی غیر کی! معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارِ لات و منات!
یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تُو نہ رہے
رہا نہ تُو، تو نہ سوزِ خودی، نہ سازِ حیات!

ظاہر ہے کہ جن حقائق کی بنا پر تیاٹر یا تمثیل خودی کی تربیت کے لیے مضر ہے وہ اداکاری کی تمام قسموں پر صادق آتے ہیں۔

com
com

ہنروران ہند کا آرٹ

ہنروران ہند کا آرٹ جنسیت میں ڈوبا ہوا ہے، لہٰذا گھٹیا اور لپست ہے۔ ان کا تخیل اس قسم کا ہے کہ انسان کے دل سے عشق و مستی یعنی خدا کی محبت رخصت کر دیتا ہے۔ ان کا تاریک فکر قوموں کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ ہنرور خدا پرست نہیں بلکہ برہمنوں کی طرح بُت پرست ہیں اور ان کے صنم خانوں میں موت کی تصویریں بنا کر رکھی گئی ہیں یعنی اُن کے ہنر کی مخلوقات افراد اور اقوام کے لیے موت کا حکم رکھتی ہیں۔ ان کا ہنر انسانوں کو یہ جاننے سے باز رکھتا ہے کہ ان کی خودی ترقی کر کے بلند مقامات تک پہنچ سکتی ہے۔ وہ اپنے ہنر سے بدن کی خواہشات کو تو بیدار کرتے ہیں، لیکن روح یا خودی کی خواہشات کو سلاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، خواہ وہ شاعر ہے یا مصور ہے یا افسانہ نویس، عورت کی کشش کے فریب میں مبتلا ہے۔

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار!
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں
زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار!
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں رُوح کو خوابیدہ، بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

عجم کا شعر

شعر کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ خدا کی محبت کی پرورش کرے اور اسے یہاں تک ترقی دے کہ انسان کی خودی باطل کو فنا کرنے کے لیے تلوار کی طرح تیز ہو جائے، جس کی وجہ سے انسان دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق بدلنے کے لیے پُرجوش، زوردار اور انقلاب آفریں عمل پر آمادہ ہو سکے۔

© rasailojaraid.com

اگر مرغ سحر خیز کا نغمہ گلستان میں رونق نہیں لاتا بلکہ اسے اور بے رونق کر دیتا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ خاموش ہی رہے۔ کائنات کی رونق یہ ہے کہ اس میں حسن نیکی اور صداقت کا دَور دورہ ہو۔ اگر شاعر کا شعر خدا کی اس کائنات میں بدی، زشتی اور باطل کو دُور کر کے نیکی، حسن اور صداقت کے اوصاف کو، جو خدا کی محبّت کے مقامِ کمال ہی سے صادر ہو سکتے ہیں، پھیلانے اور عملی طور پر مؤثر کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو شعر کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ مانا کہ عجم کا شعر بڑا دلکش اور دلآویز اور بڑا زوردار اور مؤثر ہے یہاں تک کہ پہاڑوں کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے لیکن اگر وہ شمشیرِ خودی کو تیز نہیں کرتا اور اگر ایک پرویز کی سلطنت یعنی باطل کی قوت اس سے شکستہ نہیں ہوتی تو اس کا اثر کس کام کا ہے؟

ہے شعرِ عجم گرچہ طربناک و دلآویز
اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیرِ خودی تیز
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز
وہ ضرب اگر کوہ شکن بھی ہو تو کیا ہے
جس سے متزلزل نہ ہوئی دولتِ پرویز!

سرودِ حرام

فقیہوں میں یہ بحث چلی آتی ہے کہ سرود حلال ہے یا حرام، لیکن اگر ہم اسرارِ حیات یا خودی کے اوصاف و خواص کی روشنی میں دیکھیں تو اس بحث کا فیصلہ آسان ہے۔ وہ سرود جو خدا کی محبّت سے بیگانہ کرنے والا ہو حرام ہے، کیونکہ وہ خودی کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زندگی موت پر مقدم ہے اور ہم زندگی دے کر موت کو خرید نہیں سکتے۔

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ و رباب

خودی کے اوصاف و خواص کے پیشِ نظر خدا کی محبّت سے محرومی انسان کے لیے موت ہے۔

آں کہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتم اُو زار نیست

بے شک گانے والے کی لَے کی بلندی اور پستی سے جو گانے میں دلکشی پیدا ہوتی ہے اس سے دل کو بڑی مسرّت حاصل ہوتی ہے اور دل کھل جاتا ہے یعنی اگر دل میں غم یا خوف کی وجہ سے تنگی کی کیفیت موجود ہو تو جاتی رہتی ہے لیکن اگر مغنّی کا سرود خدا کی محبّت کے جذبہ کو کھلنے والا ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سننے والے کا دل مر جائے گا اور زندہ اور پائندہ نہ رہے گا۔ اگر دل خود ہی مر گیا تو دل کی کشود کس کام آئے گی۔ اگر نوا ایسے دل سے نکلے جس میں خدا کی سچّی محبّت کا سوز درحقیقت موجود ہو تو اس نوا کے اثر سے ستاروں کا وجود بھی، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی قسمتوں پر حکمران ہیں، پگھل سکتا ہے اور پوری دنیا مغنّی کی مرضی کے مطابق بدل سکتی ہے۔ اگرچہ ایسی نوا کائنات میں بالقوّہ موجود ہے اور کائنات کی ممکنات میں پوشیدہ ہے، تاہم ابھی بالفعل اور آشکار نہیں ہوئی۔ ایسا سرود جس کی تاثیر سے آدم مستقل طور پر غم اور خوف سے نجات پاکر "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کا مصداق بن جائے اور ایازی یعنی غلامی اور شخص پرستی کا مقام محمود غزنوی یعنی بادشاہت اور بُت شکنی کے مقام میں بدل جائے اور یہ پُوری کائنات جو مہ و انجم کا ایک حیرت خانہ ہے لاموجود میں شمار ہونے لگے اور صرف "تُو" باقی رہ جائے یا تیرا یہ اعلان کہ سوائے خدا کے اور کوئی موجود نہیں یعنی یہ پُرانی کائنات مٹ جائے اور ایک نئی کائنات وجود میں آئے جو تیری اور تیرے محبوب خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایسا سرود جسے عارفانِ خودی جائز اور مشروع سمجھتے ہیں ابھی کسی مُطرب کا منتظر ہے۔ مراد یہ ہے کہ آخر کار کائنات خدا کی مرضی کے مطابق ضرور بدل کر رہے گی لیکن اس تبدیلی کا ذریعہ ایک ایسا نغمہ ہی ہوسکتا ہے جس کی تاثیر سے لوگوں کے دل خدا کی محبت کے سوز سے پگھل جائیں۔ کائنات کو ایسے مطرب کی ضرورت ہے جو اس قسم کا نغمہ پیدا کر سکے۔

کھل تو جاتا ہے مغنّی کے بم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود!

© rasailojaraid.com

ہے ابھی سینۂ افلاک میں پنہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود!
جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقامِ محمود!
مہ و انجم کا یہ حیرت کدہ باقی نہ رہے
تو رہے اور ترا زمزمۂ لاموجود!
جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہانِ خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود!

(جاری ہے)

بقیہ: کاروانِ حدیث

۳ء ابنِ حجر، الدرر الکامنۃ، ج ا، ص ۳۷۳۔

۴ء شوکانی، البدر الطالع، ج ا، ص ۱۵۳۔

۵ء محمد عطاء اللہ حنیف، حیات شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ، ص ۷۰۔

۶ء مولانا محمد جوناگڑھی، تفسیر ابنِ کثیر، اردو، ج ا، ص ۳۔

۷ء ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۲، ص ۴۰۸، ۴۰۹۔

۸ء ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی۔ ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات۔ ص ۲۸

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔